بادشاہ زادہ ازہری

حضرت امام اعظمؒ تاریخ کی روشنی میں

یہ مقالہ کتابت کے لیے دینے سے پہلے ہم نے کئی بار پڑھا۔ اس کی روح ہم نے قائم رکھی ہے۔ لیکن وہ تلخ اور ناگوار الفاظ قلمزد کر دیے ہیں جو نہایت سادگی اور بے تکلفی سے فاضل مقالہ نگار نے استعمال کیے تھے۔

اگر کسی شخص کی دیانت فکر ابلیس کو بھی قابل احترام سمجھتی ہے تو اسے اپنی رائے کے اظہار کا حق ہے۔ لیکن اس حق کا استعمال سنجیدگی، وقار، اور عالمانہ دلائل کے ساتھ ہونا چاہیے۔ اس حق کا نہایت غلط استعمال ہوگا اگر دلائل کے بجائے صرف تلخ، ترش اور ناگوار الفاظ استعمال کیے جائیں اور سمجھ لیا جائے کہ بازی جیت لی گئی۔ "خلافت معاویہ و یزید" کے مصنف نے جو نیا مکتب فکر قائم کیا ہے اس سے تاثر کی جھلک اس مقالے میں کئی جگہ نظر آتی ہے۔ اور وہ "تکنیک" بھی کثرت سے استعمال کی گئی ہے جو عبارت ہے تاریخی مسلّمات کے یکسر انکار اور مفروضات کو واقعات کی صورت میں پیش کرنے سے۔

فاضل مقالہ نگار نے پورا زور اس امر پر لگایا ہے کہ امام ابوحنیفہ کو وفادار سرکار ثابت کریں، اموی اور عباسی خلفاء کی غیر مشروط تائید و حمایت کریں، حتیٰ کہ ان کے جابروں اور سفاکوں کو بھی پروانۂ خوشنودی عطا کر دیں، اور یہ باور کرا دیں کہ امام اعظم کے تعلقات اموی اور عباسی حکومتوں سے بڑے خوشگوار تھے، لیکن تاریخ کا قاضی اس دعوے کو قبول کرنے سے قطعاً انکار کرتا ہے۔ جو لوگ ملّتِ اسلامیہ پر سازش اور قوت کے بل پر مسلط ہو گئے تھے، انھوں نے صرف امام اعظم ہی کو نہیں، کبار ائمہ میں سے کسی کو بھی معاف نہیں کیا ——— "ناوک نے

تیرے صید نہ چھوڑا زمانے میں ! " اور اس کی وجہ یہ تھی کہ ملوک و سلاطین کے اغراض و مقاصد اور اصحاب علم و فکر کے اغراض و مقاصد کبھی یکساں نہیں ہو سکتے۔ ایوان شہی اور زاویۂ معرفت میں نہ کبھی مصالحت ہوئی ہے نہ ہو سکتی ہے۔

ہم نے اس مقالے کو اس لیے شائع کر دیا ہے کہ بہر حال یہ فکر آفریں ہے۔ اسے پڑھ کر کیا عجب دوسرے ارباب علم اور اصحاب تحقیق بھی اپنے افکار و خیالات اور دلائل و نتائج مطالعہ کو قلمبند کر کے بعض ایسے گوشوں پر روشنی ڈالیں جو وضاحت طلب ہیں۔ ثقافت ایسے مقالات کا خیر مقدم کرے گا۔

اس مضمون کی دوسری قسط جو امام صاحب کی فقہ اور طرز فکر پر مشتمل ہے فاضل مقالہ نگار نے عالمانہ کاوش سے لکھی ہے، اس کے لیے آئندہ اشاعت کا انتظار کیجیے۔ (ایڈیٹر)

حضرت امام اعظم کی شخصیت اور آپ کی فقہ پر بکثرت لوگوں نے کتابیں لکھی ہیں۔ بعض نے بے جا نکتہ چینی کی۔ بعض نے عقیدت میں غلو کیا اور بعض نے خاص مقاصد کے تحت آپ کے متعلق ایسی باتیں لکھیں جن سے غلط فہمیاں پیدا ہوں۔ میں نے ہر صنف کی کتابوں سے اس مضمون کی ترتیب میں مدد لی ہے۔ ان ماخذ کی حیثیت اور ان کے مقبول و نامقبول ہونے سے متعلق شروع ہی میں کچھ کہہ دینا ضروری سمجھتا ہوں۔

۱۔ ابوحنیفہ ، حیاتہ وعصرہ ، آراءہ وفقھہ : اس کے مصنف ہیں حضرت شیخ ابوزہرہ۔ یہ کتاب حضرت امام کی زندگی پر مفصل و جامع تبصرہ ہے۔ مجھے فخر ہے کہ حضرت شیخ میرے استاذ ہیں۔

۲۔ ضحی الاسلام ج ۲ ، طبع پنجم۔ مکتبۃ النہضۃ المصریہ نے اسے شائع کیا۔ اس کے مصنف ہیں ڈاکٹر احمد امین رحمۃ اللہ۔ ان کی کتابوں کا بڑا سلسلہ ہے۔ اس میں ابتداء اسلام سے لے کر اس صدی تک کی ثقافتی سرگرمیوں کا جائزہ لیا گیا ہے۔ شاید ہی کسی ایک آدمی

نے ایسے علمی انداز میں اتنا بڑا کام کیا ہو۔ ان کی بعض آراء سے اختلاف ہونا اور بات ہے۔ لیکن ہے یہ سلسلہ علمی فراست کا آئینہ دار۔

۳۔ مناقب الامام الاعظم۔ صدر الائمۃ الموفق بن احمد، اور علامہ البزاز دونوں کی کتابیں ایک مجموعے کی صورت میں حیدر آباد دکن سے شائع ہوئیں۔ دونوں کتابیں متقدمین کے طرز پر ہیں۔ اور صرف منقولات پر مبنی۔ مصنفوں کو جتنی روایتیں جس طرح ملیں اسی طرح بغیر تنقید کے انھیں نقل کر دیا۔ درایت سے قطعاً کام نہیں لیا۔ دونوں مصنفوں کا ایک ہی حال ہے۔ دشمنان اسلام کی وضع کردہ روایتیں ان دونوں کتابوں میں جگہ پا گئیں۔ اور چونکہ ان کی حیثیت مآخذ بنا دی گئی ہے اس لیے یہ روایتیں زبان زد خلائق ہیں اور انھیں اچھالا جا رہا ہے۔

۴۔ امام ابو حنیفہ کی سیاسی زندگی۔ اس کے مصنف ہیں مولانا مناظر احسن گیلانی مرحوم۔ کتاب کا طرز تحریر زمانۂ حال کے مصنفوں کے مطابق ہے۔ کسی بیان یا عبارت سے استنباط خوب کرتے ہیں۔ لیکن یہ ان لوگوں کے حق میں بہت مضر ہے جو صرف اردو کتابیں پڑھ سکتے ہیں اور اصل مآخذ دیکھنے اور تحقیق کرنے کا ملکہ نہیں رکھتے۔

۵۔ سیرۃ النعمان۔ علامہ شبلی نعمانی رحمۃ اللہ کی تصنیف ہے لیکن مختصر۔

ولادت و نسب

امام صاحب کا نام و نسب یہ ہے: ابو حنیفہ نعمان بن ثابت بن زوطی۔ اکثر اہل علم نے یہی نسب بیان کیا ہے اور سب اس پر متفق ہیں کہ آپ کی پیدائش کوفے کی ہے۔ ۸۰ھ میں بعہد امیر المومنین عبد الملک رضؓ آپ پیدا ہوئے۔ ایک شاذ روایت کے مطابق آپ کی پیدائش ۶۱ھ کی بیان کی گئی ہے تاکہ کبار تابعین میں آپ کا شمار ہو سکے۔ لیکن عقلاً و نقلاً یہ روایت مردود ہے (ملاحظہ ہو تالیف ابو زہرہ)

آپ کے والد حضرت ثابت معتبر روایات کے مطابق انبار میں پیدا ہوئے تھے۔ بعض

نے ان کی پیدائش نسا کی بیان کی ہے اور بعض نے ترمذ کی۔ ممکن ہے جناب ثابت نے ان تینوں مقاموں میں طویل مدت تک سکونت اختیار کی ہو اور یوں تینوں شہروں کی طرف آپ کی نسبت کر دی گئی ہو۔

حضرت امام کے دادا زوطی کی پیدائش کابل کی ہے اور کہتے ہیں کہ جنگ میں اسیر ہو کر آزاد کر دیے گئے تھے۔ اس طرح مشہور ہو گیا کہ آپ بنو تیم اللہ کے آزاد کردہ غلام تھے۔ یہ روایت حضرت امام کے پوتے عمر بن حمّاد کے حوالے سے بیان کی گئی ہے۔ لیکن ان کے بھائی اسماعیل بن حمّاد کے قول کے مطابق امام صاحب کا نسب نامہ یہ ہے نعمان بن ثابت بن نعمان بن مرزبان، اور ساتھ ہی انھوں نے بقسم کہا ہے کہ ان کے خاندان میں غلامی کبھی نہیں آئی۔

دراصل مولیٰ کا مفہوم نہ سمجھنے کی وجہ سے ہمارے ہاں غلط فہمی پیدا ہوئی ہے۔ مولیٰ جہاں آزاد کردہ غلام کو کہتے ہیں وہاں وہ شخص بھی مولیٰ کہلاتا تھا جو آزاد ہو، عرب نہ ہو اور کسی عربی قبیلے سے رشتۂ ولاء قائم کر لے۔ ایسا شخص ہر اعتبار سے اس قبیلے کا فرد ہو جاتا تھا۔ اس قسم کے موالی بے شمار تھے۔ حضرت امام صاحب کا ولاء اس دوسری قسم کا تھا اور آپ کے خاندان کے افراد بنو تیم اللہ میں شامل ہو گئے تھے۔

بعض غیر محتاط اور متعصب حنفیوں نے حضرت امام کا ایک نسب نامہ مرتب کر کے آپ کو واقعی عربی النسل ثابت کرنے کی کوشش کی۔ یہ چیز واقعات کے سراسر خلاف ہے۔ حضرت امام اعظم کا عجمی الاصل ہونا مسلّم ہے۔

حضرت امام اعظم اگر موالی کی پہلی قسم میں ہوتے اور آپ کے بزرگ جہاد میں گرفتار ہو کر آزاد کر دیے گئے ہوتے تب بھی آپ کے شرف پر حرف نہ آتا۔ کتنے اکابر ہیں جو موالی کی پہلی قسم میں آتے ہیں لیکن صحابہ کرام کے علوم کے وارث ہو کر وہ امامت کے درجے تک پہنچے اور اجلّ علماء و فقہاء کو ان کی شاگردی پر ناز ہے۔ لیکن آپ دوسری قسم میں ہیں اور اس سے قطعاً مستغنی کہ آپ کا وضعی نسب نامہ مرتب کر کے آپ کو نسبتی عرب بنا دیا جائے۔

حیثیت عرفی

حضرت امام اعظم طبقے کے اعتبار سے صغار تابعین میں ہیں۔ آپ نے متعدد صحابہ کی زیارت کی ہے۔ امام ابن خلکان کی تصریح کے مطابق آپ نے سیدنا انس رضی اللہ کو بار بار کوفے میں دیکھا۔ امام ابن حجر عسقلانیؒ اور دوسرے ائمہ حدیث کو بھی آپ کا سیدنا انسؓ کو دیکھنا ثابت ہے۔ پھر کوفے ہی میں آپ نے ایک دوسرے صحابی سیدنا عبداللہ بن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہ کو بھی دیکھا۔ اسی طرح مدینہ طیبہ میں سیدنا سہل بن سعد الساعدیؓ کو اور مکہ میں سیدنا ابوالطفیل عامر بن واثلہؓ وغیرہ کو۔

آپ کے جد بزرگوار زوطی یا آپ کے والد حضرت ثابت کو اپنے والد کی معیت میں حضرت امیرالمومنین علی کرم اللہ وجہ کی زیارت نصیب ہوئی اور آپ نے ان کے اور ان کی اولاد کے لیے دعائیں کیں۔ انہی دعاؤں کی برکت تھی کہ ان کے ہاں امام اعظمؒ جیسے سرتاج امت پیدا ہوئے۔

حضرت امام صاحب کا صحابہ کو دیکھنا تو ثابت ہے لیکن بعض لوگوں نے جوان صحابہ سے آپ کی بلاواسطہ روایتیں بیان کی ہیں وہ میرے نزدیک صحیح نہیں۔ اس وقت آپ کی عمر اتنی نہ تھی کہ ان سے حدیث کی روایت کرتے۔

جب مسلمانوں پر ذہنی انحطاط کا دور آیا۔ اسلامی علوم میں جمود پیدا ہوا۔ اجتہاد کا دروازہ بند کر دیا گیا اور مذہبی تعصب نے گل کھلائے تو اہل مذاہب کا یہ وتیرہ ہو گیا کہ اپنے اپنے امام کے حق میں غلو کریں اور دوسرے ائمہ کی تنقیص میں زبان و قلم چلائیں۔

لوگوں نے حضرت امام کے متعلق بھی ایسی ہی فضول باتیں کہی ہیں۔ کسی نے موافقت میں ناجائز عقیدت کے تحت اور کسی نے مخالفت میں اندھا ہو کر۔ اور بعض ایسے نکلے کہ ان خالص علمی بزرگوں کو سیاست میں گھسیٹ لائے اور بے سروپا باتیں ان کی طرف منسوب کر دیں۔ اس سلسلے میں بعض نے حدیثیں تک گھڑ ڈالیں اور خدا کا خوف نہ کیا۔

حضرت امام کے متعلق یہ موضوع حدیث مشہور ہے کہ میری امت میں نعمان نام ایک شخص

ہو گا جس کی کنیت ابو حنیفہؒ ہو گی وہ میری امت کا چراغ ہے، وہ میری امت کا چراغ ہے"۔
تعجب ہے کہ صدر الائمہ جیسے شخص نے مختلف اسناد سے یہ وضعی حدیث مناقب میں نقل کر ڈالی۔
بعض نے یہاں تک کہہ دیا کہ امام صاحب کا ذکر توراۃ شریف میں بھی ہے۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔
اور وہ شخص کیسا جاہل اور متعصب ہو گا جس نے حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کی طرف
یہ شعر منسوب کر دیا۔

فلعنة ربنا اعداد رمل   علیٰ من ردّ قول ابی حنیفة

حالانکہ علم اختلاف ہی سے بڑھتا ہے اور مسائل کی تنقیح اسی وقت ہوتی ہے جب کھل کر تنقید کی جائے۔ یہ حق سوائے سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اور کسی کا نہیں کہ دین کے بارے میں اس کی بات بے چون و چرا تسلیم کر لی جائے۔

اگر لوگ اپنے ائمہ کی جھوٹی منقبتیں بیان کرنے اور دوسرے ائمہ کی تنقیص کی بجائے صرف علمی گفتگو کرتے تو تعصب مٹتا اور بے سر و پا باتیں رواج نہ پاتیں۔ جیسے ایک مفتری و کذاب نے یہ حدیث گھڑی ہے۔ سیکون فی امتی رجل یقال له محمد بن ادریس هو اضر من ابلیس۔ خدا اس شخص کا منہ کالا کرے جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اتنا بڑا جھوٹ بولا اور ایسے امام جلیل رضی اللہ عنہ کی جناب میں اتنی بڑی گستاخی کی۔

علمی حیثیت

خطیب بغدادی رحمۃ اللہ نے کہا ہے (تاریخ بغداد، ج ۱۳، ص ۳۳۴) کہ امیر المومنین المنصور رضی اللہ عنہ سے جب امام صاحب کی ملاقات ہوئی اور انھوں نے دریافت کیا "آپ نے علم کہاں کہاں حاصل کیا ہے؟" تو امام صاحب نے عرض کیا "اصحاب عمر سے عمر کا، اصحاب ابن مسعود سے ابن مسعود کا، اصحاب علی سے علی کا، اور اصحاب ابن عباس سے ابن عباس کا، اور علم میں جو پایہ ابن عباس کا تھا وہ ان کے زمانے میں کسی دوسرے کا نہ تھا۔"

اس بیان سے واضح ہو گیا کہ امام صاحب نے تمام علم تابعین کرام سے لیا ہے۔ اور

آپ کا شمار صرف صغار تابعین ہی میں ہے۔ صحابہ کرام سے آپ کی کوئی روایت بلا واسطہ قابل قبول نہیں۔

عمر اور وفات

جیساکہ بیان کیا جاچکا آپ کی پیدائش ۸۰ھ کی ہے اور اس روایت کی کوئی اصل نہیں جو آپ کو کبار تابعین میں شامل کرنے کے لیے ۶۱ھ میں آپ کی ولادت بیان کی گئی ہے۔ آپ عبدالملک کے عہد میں پیدا ہوئے اور خلیفہ منصور عباسی کے عہد میں (۱۵۰ھ) وفات پائی۔ اس طرح آپ کی عمر ستر سال ہوئی۔ باون برس آپ نے عہد اموی میں گزارے اور اٹھارہ برس دور عباسیہ میں۔ آپ کی وفات طبعی تھی جیساکہ آگے بیان ہوگا۔

سیاسی مسلک

امام اعظمؒ کا سیاسی مسلک نظری اعتبار سے وہی تھا جو شروع سے متبع سنت جماعت کا چلا آرہا ہے۔ تمام خلفاء کا آپ احترام کرتے تھے۔ ان کی اطاعت واجب جانتے تھے اور راشدین میں اسی ترتیب کے قائل تھے جس طرح وہ وقوع پذیر ہوئی۔ مشاجرات صحابہ میں آپ کا مذہب سکوت تھا۔ اور ان کے بارے میں فریق بننا آپ جائز نہیں سمجھتے تھے۔ حکومت وقت سے آپ کے تعلقات ہمیشہ استوار رہے اور خلفاء کے خلاف خروج کو آپ نے ہر حال میں ناجائز سمجھا۔ آپ کا کھلا ہوا ارشاد ہے "لا نری الخروج علی ائمتنا و ولاۃ امورنا و لو جاروا علینا (ملاحظہ ہو السہم المصیب فی الرد علی الخطیب تالیف السلطان الملک المعظم ابو المظفر عیسیٰ بن ابی بکر بن ایوب رحمہ اللہ)۔

ویسے بھی آپ کاروباری آدمی تھے جو ہر حال میں امن چاہتے ہیں۔ پھر آپ خالص علمی شخص تھے جو قواعد دینیہ کے مطابق فتنہ و فساد اور ہنگامہ پروری سے متنفر رہتے ہیں۔

بعض لوگوں نے یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ امام صاحبؒ کے نزدیک خلافت کا حق آل علیؓ کو تھا اسی لیے جب ہشام کے زمانے میں حضرت زید بن علی زین العابدینؒ نے خروج کیا

توامام صاحب ان کے طرف دار تھے اور ان کی حمایت میں فتوےٰ دیا تھا۔ یہاں تک کہا گیا ہے کہ آپ حضرت زید کے خروج کو ایسا ہی سمجھتے تھے جیسے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا غزوۂ بدر کے لیے نکلنا۔ میں اس بیان کو درست تسلیم نہیں کرتا۔

امام صاحب اور امیر ابن ہبیرہ

الموفق نے کتاب المناقب میں یہ روایت لکھی ہے (جزو ثانی، ص ۲۱-۲۲) کہ امیر ابن ہبیرہ چاہتے تھے کہ خوارج کی اصلاح کے لیے ایک مسکت خط لکھوائیں۔ چنانچہ انھوں نے امام ابن ابی لیلیٰ اور امام ابن شبرمہ کے سپرد یہ خدمت کی۔ وہ ایک مہینے میں ایک مفصل خط لکھ کر لائے لیکن امیر کو پسند نہ آیا۔ اس پر لوگوں نے کہا کوفے میں ایک صاحب نعمان ہیں، مناظرے میں ماہر، اور اس قسم کے معاملات میں بہت ہشیار۔ یہ مراسلہ آپ ان سے لکھوائیں۔ جب امام صاحب کو بلا کر یہ مراسلہ دکھایا گیا تو انھوں نے فرمایا کہ خدا اور رسولؐ کے نام کے علاوہ یہ خط از سر تا پا غلط ہے اور پھر اسی وقت قلم بر داشتہ ایسا خط لکھ دیا کہ امیر کو پسند آگیا۔

دوسری روایت ہے کہ امیر نے آپ کو بیت المال کا ناظر بنانا چاہا اور آپ نے جب انکار کیا تو آپ کے کوڑے مارے۔ عاصم مولیٰ فزارہ کہتے ہیں کہ بیس کوڑے مارے اور بعض کا کہنا ہے کہ تیس۔ ایک روایت کے مطابق آپ کو گرفتار کرانے والے خود کوفے کے علماء و فقہا تھے۔

تیسری روایت یہ ہے کہ امیر ابن ہبیرہ نے آپ کو قاضی بنانا چاہا اور آپ اس کے لیے تیار نہیں ہوئے تو کوڑے لگائے گئے اور قید کر دیا گیا۔

اب آپ کے چھوڑے جانے کے بارے میں بھی تین روایتیں ہیں۔ ایک یہ کہ امیر ابن ہبیرہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا اور آپؐ نے امام کو قید کرنے پر انھیں ڈانٹا، اس لیے چھوڑ دیا۔ تیسری روایت میں ہے کہ امام صاحب نے غور کرنے کے لیے کچھ مہلت مانگی اور جب آپ پر اعتماد کر کے چھوڑ دیا گیا تو مکہ فرار ہو گئے اور انقراض خلافت امویہ تک

وہیں رہے۔

ان کے مقابلے میں البزازکو دوسری کہتے ہیں (ص ۲۶) کہ امیر نے امام صاحب کو اختیار دیا تھا کہ یا تو کوفے کا قاضی بنیں یا عُدّ یعنی اینٹیں گننے والا۔ امام صاحب نے عُدّ بننا قبول کرلیا تو امیر ان سے راضی ہو گئے۔

کہا جاتا ہے کہ قاضی کا عہدہ پیش کرنا تو ایک بہانہ تھا۔ امیر کی اصل غرض یہ تھی کہ امام صاحب چونکہ اموی خلافت کو غاصبوں کی حکومت کہتے تھے اس لیے انھیں سزا دینے کی یہ صورت نکالی گئی تھی۔ کیونکہ امیر کو معلوم تھا کہ وہ اس ناجائز حکومت کا عہدہ قبول نہیں کریں گے۔

لوگ یہ نہیں سوچتے کہ اگر واقعی امام صاحب اس خیال کے ہوتے تو قاضی بن کر وہ اپنے فرقے کا بہت کچھ کام کر سکتے تھے جیسے ان سے پہلے اور ان کے بعد کے لوگوں نے کیا۔ پھر امیر اگر ان کے خیالات جانتے ہوتے تو ان کے تخریبی عزائم کے سبب اپنی حکومت کا عہدیدار کیسے بنا سکتے تھے۔

دوسری روایت کے مطابق آپ کی رہائی کا سبب کوئی تو امیر کے خواب کو بتاتا ہے اور کوئی علما و فقہاء کی سفارش کو اور کوئی کہتا ہے کہ امام نے مہلت مانگی اور جب امیر نے ان پر اعتماد کر کے چھوڑ دیا تو دھوکہ دے کر مکّہ چلے گئے۔ یہ کوئی نہیں بتاتا کہ مکّہ بھی تو امیر المومنین ہی کی قلمرو میں تھا اور امیر عراقین کی یہ حیثیت اور طاقت تھی کہ انھیں وہاں سے گرفتار کروا لے۔ اصل یہ ہے کہ صورت حال بالکل سادہ تھی۔ امام صاحب خالص علمی اور غیر سیاسی شخص تھے اور امیر ابن ہبیرہ عراق کے آخری والی ہیں۔ انہی کے زمانے میں اموی خلافت پر انقلاب آیا۔ ہو سکتا ہے کہ انہی شورشوں کے سبب امام صاحب مکہ چلے گئے ہوں تاکہ یکسوئی سے اپنے علمی مشاغل میں مصروف رہیں۔ آپ ویسے بھی مکّہ جاتے رہتے تھے اور وہاں مہینوں آپ کا قیام رہتا تھا۔ امیر اگر واقعی انھیں کوئی حکم دیتے تو اہل السنۃ کے شعار کے مطابق حضرت امام حضور اس کی تعمیل کرتے یا معقول عذر بیان کر دیتے جسے قبول کر لیا جاتا۔

امام اعظمؒ اور خلیفہ منصور عباسی

الموفق نے لکھا ہے (ص ۱۶۴) کہ خلیفہ منصور نے حضرت سفیان ثوری، حضرت شریک، حضرت مسعر اور امام صاحب کو بغداد طلب کیا تاکہ انھیں قاضی بنایا جائے۔ سفیان ثوریؒ راہ سے فرار ہو گئے۔ مسعر نے جنون ظاہر کیا اور امام صاحب نے عرض کیا میرے باپ نانبائی تھے اور کوفے کے لوگ یہ پسند نہیں کریں گے کہ ایک نانبائی کا لڑکا قاضی بنے۔

ایک روایت کے مطابق آپ نے یہ عذر کیا کہ کوفے میں قریش انصار اور عرب کے دوسرے لوگ رہتے ہیں، اور میں موالی میں ہوں۔ اگر آپ نے مجھے قاضی بنا دیا تو لوگ مجھے سنگسار کر دیں گے۔ اس پر امیرالمومنین نے انھیں چھوڑ دیا۔

پھر انہی الموفق نے بیان کیا ہے کہ امام صاحب نے قاضی بننے سے انکار کیا تو آپ کو برہنہ کر کے تیس کوڑے لگوائے گئے اور ان کے جسم سے خون بہنے لگا۔ اس پر خلیفہ کے چچا عبدالصمد نے کہا "یہ تم نے کیا کر دیا۔ تم نے لاکھوں تلواریں اپنے خلاف بے نیام کروالیں۔ یہ اہل عراق کے فقیہ ہیں بلکہ تمام اہل مشرق کے فقیہ ہیں" اس پر امیرالمومنین نے امام صاحب کو تیس ہزار درم دینے کا حکم دیا۔ یعنی ہر کوڑے کے بدلے ایک ہزار۔ لیکن امام صاحب نے قبول نہ کیا۔ لوگوں نے کہا صدقہ کر دیجیے گا تو فرمایا "ان کے پاس کچھ حلال کا مال ہے بھی؟ اس روایت میں یہ نہیں بتایا گیا کہ پھر کیا ہوا۔ امام صاحبؒ جو حلال و حرام کے اتنے بڑے عالم تھے وہ یہ کیسے کر سکتے تھے کہ ایک شخص کے تمام مال کو حرام قرار دیدیں۔

ایک روایت البزاز نے بیان کی ہے (ص ۱۹) کہ خلیفہ منصور نے امام صاحبؒ کو قاضی بنانے کے لیے بغداد بلایا کہ دوسرے قاضیوں کا تقرر بھی انہی کے ذریعہ کیا جائے۔ لیکن امام صاحبؒ نے انکار کر دیا اور مختلف عذر بیان کیے۔ خلیفہ نے قسم کھائی کہ یہ عہدہ قبول نہ کیا تو قید کر دیا جائے گا۔ امام صاحبؒ پھر بھی نہ مانے تو انھیں جیل بھیج دیا۔ روزانہ انھیں باہر نکالا جاتا اور دس کوڑے لگا کر پھر

قید خانے بھیج دیا جاتا۔ یہ سلسلہ اتنے دن جاری رہا کہ امام صاحبؒ رو پڑے اور اتنا روئے کہ بالآخر جان کھو بیٹھے۔ اور قید خانے ہی میں اللہ کو پیارے ہوئے۔

پھر یہی البزاز کہتے ہیں کہ ابراہیم بن عبداللہ حسنی نے جب امیرالمومنین منصور کے خلاف خروج کیا تو امام صاحبؒ نے علانیہ خلیفہ کے خلاف باتیں کرنی شروع کر دیں۔ اس پر ان کے شاگرد زفر نے کہا "آپ اپنی باتوں سے باز نہیں آئیں گے اور یوں مفت میں ہم سب کی گردنیں ناپی جائیں گی۔" اس واقعے کو کچھ ہی دن ہوئے تھے کہ خلیفہ نے امام صاحبؒ کو بغداد بلایا اور قید خانے میں زہر دے کر ہلاک کر دیا۔

یہی البزاز یہ بھی کہتے ہیں کہ امام صاحبؒ نے چند دن کے لیے عہدۂ قضا قبول کر لیا تھا تاکہ امیرالمومنین کی قسم پوری کر دیں۔ دوسری روایت یہ ہے کہ امام صاحبؒ نے بغداد کی تعمیر کے وقت اینٹیں گننا قبول کر لیا تھا اور یوں خلیفہ کی قسم پوری کی۔ گویا اینٹیں گننے کا واقعہ جہاں امیر ابن ہبیرہ کے زمانے کا ہے وہاں خلیفہ منصور کے عہد کا بھی بیان کیا جاتا ہے۔

پھر الموفق نے ایک روایت یہ نقل کی ہے (ص ۲۱۵) کہ امام صاحبؒ نے قاضی نہ بننے کے جو عذر پیش کیے وہ خلیفہ نے قبول کر کے انھیں معاف رکھا۔

البزاز نے وہی روایت جو امیر ابن ہبیرہ کے زمانے میں خوارج کو خط لکھنے کی ہے خلیفہ منصور کے عہد کی بھی بیان کر دی، اور اسی تفصیل کے ساتھ کہ ابن ابی لیلیٰؒ اور ابن شبرمہؒ جو خط ایک مہینے میں معقول طریقے پر نہ لکھ سکے وہ امام صاحبؒ نے قلم برداشتہ لکھ دیا۔ [illegible] خلیفہ منصور سے تعارف انہی الفاظ میں کرایا گیا ہے کہ کوفے میں ایک شخص نعمان نام کا ہے۔ وہ ایسا خط لکھ سکتا ہے۔ گویا امیرالمومنین خود امام صاحبؒ سے واقف نہ تھے۔ حالانکہ جو لوگ امیر ابن ہبیرہ کے ہاتھوں سزا اور پھر امامؒ کا مکہ فرار ہو جانا بیان کرتے ہیں انہی کا یہ بھی کہنا ہے کہ جب امام صاحبؒ مکے سے واپس آئے تو خلیفہ منصور نے ان کا بڑا احترام کیا اور ان کے پاس تحائف بھیجے۔ مطلب یہ ہوا کہ پہلے جانتے تھے اور بعد میں ایسا بھول گئے کہ کوفے کا ایک آدمی کہہ کر امام کا تعارف کرایا گیا۔ اس

روایت میں خط نویسی کی وہی تفصیل ہے کہ امام صاحبؒ نے وہ خط دیکھ کر فرمایا "خدا و رسول کے نام کے علاوہ اس میں سب غلط ہے۔"

ان راویوں نے اپنے متضاد بیانوں کے ذریعہ ایک تیر سے کئی شکار کرنے کی کوشش کی ہے۔ ایک یہ کہ منقبت کا نام دے کر امام صاحبؒ کو جماعت سے منحرف دکھائیں۔ دوسرے امیر ابن ہبیرہ اور خلیفہ منصور کو ظلم و سفاکی کا پیکر ثابت کریں اور تیسری طرف امام ابن ابی لیلیٰؒ اور امام ابن شبرمہؒ کو ایسا نالائق باور کرائیں کہ ایک مہینے کی مشترک محنت کے باوجود جو خط وہ لکھ کر لائیں اس میں خدا اور رسول کے ناموں کے علاوہ سب غلط ہو۔

ایک ہی مصنف کبھی یہ قبول کرتا ہے کہ خلیفہ نے امام صاحبؒ کا عذر قبول کر کے انھیں سبکدوش کر دیا اور کبھی کہتا ہے کہ ان کے کوڑے لگوائے اور پھر عراقیوں کے خوف سے ہر کوڑے کے بدلے ایک ہزار درم دینے چاہے۔ پھر یہ فضا قائم کرتا ہے کہ انھیں قید کر دیا گیا اور اسی حالت میں وہ چل بسے کبھی ان کی وفات کو کوڑوں کے صدمے سے بتاتا ہے اور کبھی زہر سے۔

ان تمام مصائب کا سبب کبھی یہ بتاتے ہیں کہ انھوں نے عہدۂ قضاء قبول نہیں کیا اور کبھی یہ کہ ابراہیم بن عبداللہ حسنی کی حمایت کی تھی اور اس کے برسوں بعد یہ مصائب ان پر ٹوٹے۔

مولانا مناظر احسن گیلانی مرحوم کی کتاب "امام ابوحنیفہ کی سیاسی زندگی" دیکھ کر مجھے سخت ملال ہوا کہ باوجود تبحر علمی کے مولانا کی کتاب سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ ان کا مقصود اس امام جلیلؒ کے بارے میں صحیح معلومات بہم پہنچانا ہے۔ بلکہ کتاب کے لہجے سے صاف ظاہر ہے کہ وہ دشمنان صحابہ کو خوش کرنا چاہتے تھے اور انھیں اموی اور عباسی خلفاء کو سب و شتم کا ہدف بنانے کے لیے ایک جاذب نظر سرخی کی ضرورت تھی۔

میں یہ الزام نہیں دیتا کہ انھوں نے عمداً اسلامی تاریخ کو بگاڑنے کی کوشش کی مگر اتنا ضرور کہتا ہوں کہ انھوں نے تحقیق و تفحص سے کام نہیں لیا۔ اور قدیم مصنفوں کی رطب و یابس روایات لیکر امیر معاویہؓ اور باقی خلفاء کی شان میں گستاخانہ لہجہ اختیار کرنے میں باک نہیں کیا۔ حالانکہ تعمیری محاکے

کی صورت یہ تھی کہ جب ایک ہی درجے کی روایات میں اتنا تضاد ہو تو ان سب کو ساقط کر دیا جائے۔ اور ترجیح اگر دینی ہو تو ایسی روایتوں کو جو اس وقت کے ماحول کے مناسب اور اس عہد کے مسلمانوں کے شایان شان ہوں اور ان کے ذریعہ اسلاف کرام کی طرف سے بدظنی پھیلنے کا سد باب ہوتا ہو۔

حقیقی صورت حال

حضرت امام اعظمؒ اور خلیفہ منصور کی بابت مناقب کی کتابوں میں جو روایتیں ہیں وہ زیادہ تر خطیب بغدادی کی تاریخ بغداد سے لی گئی ہیں جنھیں حضرت امام اعظمؒ سے سخت تعصب تھا۔ اسی لیے انھوں نے طرح طرح سے ان کی تنقیص کی روایتیں لکھ ماریں۔ ان کی تاریخ ان دونوں اماموں کے گزرنے کے تین سو برس بعد لکھی گئی اور اس کے صدیوں بعد یہ کتابیں وجود میں آئیں جن کے مصنفوں نے تاریخ بغداد کو ماخذ بنا کر یہ روایتیں قبول کر لیں۔

روایت قبول کرنے کے لیے جہاں یہ شرط ہے کہ وہ ثقہ لوگوں کی بیان کردہ ہو وہاں یہ بھی ہے کہ قریب ترین عہد کے لوگوں نے اسے بیان کیا ہو اور درایتاً اسے صحیح باور کیا جا سکے۔ چنانچہ یہاں میں اصل بات تاریخ طبری کے حوالے سے بیان کرتا ہوں (ص ۲۷۸)

۱۔ یہ کہ امیر المومنین منصور نے .... امام صاحبؒ کو قاضی بنانا چاہا لیکن انھوں نے انکار کیا۔ اس پر خلیفہ نے قسم کھائی کہ یہ کام ضرور کرنا ہوگا۔ ابو حنیفہؒ نے قسم کھائی کہ نہیں کریں گے۔ اس پر انھیں شہر بسانے کا کام سپرد کر دیا گیا۔ راوی کہتا ہے کہ خلیفہ منصور نے یہ کام محض اپنی قسم پورا کرنے کے لیے لیا۔ چنانچہ امام صاحبؒ اس کام کے متولی رہے تاآنکہ ۱۴۹ھ میں یہ پورا ہو گیا۔

۲۔ خلیفہ نے امام صاحبؒ کو دیوانی اور فوجداری محکموں کا قاضی بنانا چاہا۔ آپ نے انکار کیا تو امیر المومنین نے قسم کھائی کہ گلو خلاصی اس وقت تک نہ ہوگی جب تک حکومت کی کوئی خدمت انجام نہ دیں۔ امام صاحبؒ کو اس کی خبر ہوئی تو آپ نے چھڑی اٹھائی اور بنی ہوئی اینٹیں گننا شروع کر دیں۔ راوی کہتا ہے کہ امام صاحبؒ پہلے شخص ہیں جنھوں نے چھڑی سے اینٹیں گنیں، اور اس

طرح امیر المومنین کی قسم پوری کی۔ اس کے بعد آپ علیل ہو گئے اور وفات پائی۔

طبری جنھیں حضرت امام اعظمؒ اور خلیفہ منصور دونوں سے تعصب تھا اور وہ خطیب سے پہلے گذرے ہیں انھوں نے بس یہ تین روایتیں نقل کی ہیں۔ لیکن نہ ان میں قید کا ذکر ہے نہ کوڑوں کا نہ زہر کا، نہ افتار کی ممانعت کا اور نہ باہم ایک دوسرے کی ہتک حرمت کا۔

ان روایات کی تردید کے لیے یہ واقعہ کافی ہے کہ حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ نے بغداد کے قیام میں اپنے سب سے چھوٹے شاگرد امام محمد رحمۃ اللہ کو سیر کی دو کتابوں کا املا کرایا (ملاحظہ ہو السہم المصیب طبع دیوبند، ص ۶۶)

یہاں یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیے کہ حضرت امام محمد رحمہ اللہ حضرت امام صاحبؒ کے سب سے چھوٹے شاگرد ہیں۔ آپ کے بعد انھوں نے علوم کی تکمیل حضرت امام ابو یوسفؒ اور حضرت امام مالکؒ سے کی۔ رضی اللہ عنہم اجمعین۔

اس بے نظیر علمی کارنامے کا حضرت امام محمدؒ کے ذریعہ پورا ہونے کا صریح مفہوم یہ ہے کہ قید و بند، افتار کی ممانعت یا باہمی قسما قسمی، عناد و سرکشی اور بے اعتمادی و غیظ قلبی کی تمام روایتیں بے حقیقت ہیں۔

حاصل کلام

حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ جو اماموں کے امام اور سر تاج فقہا رہیں، ان کے متعلق تاریخی حیثیت سے میرے نزدیک صحیح معلومات حسب ذیل ہیں اور معتبر مآخذ سے روایتاً و درایتاً انھی کی تصدیق ہوتی ہے۔

۱۔ امام اعظمؒ صغار تابعین میں ہیں۔ آپ نے بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کو دیکھا مگر روایت کسی سے نہیں کی۔

۲۔ آپ عجمی الاصل ہیں اور بنو تیم اللہ سے آپ کا رشتہ ولا کا تھا۔ آپ اور آپ کے آباء و اجداد رؤسا میں تھے اور غلامی ان کے ہاں کبھی نہیں آئی۔ اور اگر آتی تو آپ کی عظمت و جلالت

پر کچھ اثر نہ پڑتا۔

۳۔ اللہ کی کتاب، رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور صحابہ کرام کے اقوال و اجتہادات سے مسائل اخذ کرنا آپ کا مذہب تھا۔ اور حضرت امام شافعی رضی اللہ عنہ کا یہ قول حق ہے الناس عیال لابی حنیفۃ فی الفقہ۔

۴۔ حدیث قبول کرنے میں آپ احتیاط برتتے تھے لیکن جب کوئی حدیث صحت کو پہنچ جائے تو پھر آپ ہر چیز پر اسی کو مقدم رکھتے تھے اور اسی کی روشنی میں کتاب اللہ کی وضاحت کے قائل تھے۔

۵۔ آپ کلیتہً سنت جماعت سے وابستہ تھے۔

۶۔ آپ خالص علمی آدمی تھے اور آزاد تجارت سے بڑے وسیع پیمانے پر روزی کماتے تھے آپ نے عملی سیاست میں قطعاً کوئی حصہ نہیں لیا۔

۷۔ باون برس کی عمر تک یعنی انقراض خلافت امویہ سے پہلے آپ کا مشغلہ درس و تدریس اور استفادہ و افادہ تھا۔ آپ کا تمام علم اپنے شیوخ کرام کے منہاج پر آپ کے سینے میں تھا، یا آپ کے شاگردوں کی یادداشتوں میں۔ اس عرصے میں تصنیف و تالیف کا کام آپ نے بالکل نہیں کیا۔

علم الکلام کے جو چار رسالے آپ کے بیان کیے جاتے ہیں تو ان کی نسبت مشکوک ہے۔ خصوصاً "الفقہ الاکبر" کی کیونکہ اس میں بعض مسائل ایسے مذکور ہیں جو اس وقت تک وجہ نزاع نہیں بنے تھے۔ مثلاً خلق قرآن کا مسئلہ، اس موضوع پر آپ کا کوئی قول صحیح سند سے مروی نہیں۔ ایسی روایتیں بعد میں وضع ہوئیں۔

۸۔ ایک باقاعدہ فقہی مذہب مدوّن کرنے کی ابتدا خلیفہ منصور کے عہد سے ہوئی، اور آپ ہی کے حکم سے مسائل کی تنقیح کو آخری شکل دینے کا سلسلہ جاری کیا گیا۔ لیکن اس عرصے میں سیر کی دونوں کتابوں کے علاوہ امام صاحبؒ کے علمی مسائل کتابی شکل میں نہیں آئے۔

اگرچہ املا آپ کا ہے لیکن باقاعدہ کتابی صورت انھیں حضرت امام محمدؒ نے دی اور وہ بھی اس طرح کہ صحیح معنی میں وہ امام محمدؒ ہی کی تصنیفات ہیں ہیں۔

۹۔ حضرت امام صاحبؒ کی تنقیحات و توضیحات کا تمام سرمایہ چونکہ آپ کے شاگردوں کے پاس تھا اس لیے خلافت عباسیہ میں ان حضرات کو اعلیٰ مناصب دیے گئے اور یوں فقہ حنفی نے تمام عالم اسلام میں رواج پایا۔

۱۰۔ احادیث نبویہ کو فقہی ابواب پر تقسیم کر کے کتاب مرتب کرنے کا کام نظری حیثیت سے ممکن ہے آپ نے شروع کیا ہو۔ لیکن کتاب کی صورت میں ایسی کوئی چیز آپ کے سامنے تیار نہیں ہوئی۔ کتاب الآثار جو آپ کے نام سے مشہور ہے وہ آپ کے شاگردوں نے مرتب کی۔ اور وہ بھی بہت بعد میں۔ کیونکہ حضرت امام محمد رحمہ اللہ نے اپنے اکابر کی فقہی تنقیحات کو حدیث کی جس کتاب پر پیش کیا وہ مؤطا شریف ہے اور اسی کی ایک ایک حدیث لکھ کر آپ فرماتے ہیں وبھذا ناخذ وھو قول ابی حنیفۃ۔

"اے ایمان والو جو شخص تم میں سے اپنے دین سے پھر جائے تو اللہ تعالیٰ بہت جلد ایسی قوم کو پیدا کر دے گا جن سے اللہ تعالیٰ کو محبت ہوگی اور ان کو اللہ سے محبت ہوگی مہربان ہوں گے وہ مسلمانوں پر تیز ہوں گے کافروں پر جہاد کرتے ہوں گے اللہ کی راہ میں اور وہ لوگ کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا اندیشہ نہ کریں گے یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جس کو چاہیں عطا فرمائیں اور اللہ تعالیٰ بڑے وسعت والے ہیں بڑے علم والے ہیں۔"

المائدہ،